مفتی محمد شفیع عثمانی کی تفسیر "معارف القرآن" کا خصوصی جائزہ

شاکر حسین خان *

Abstract

Famous Deobandi, religious scholar Mufti Mohammad Shafi Usmani, was born in 1897 in Deoband District, Saharanpur, India. He received his religious education from Darul Uloom Deoband, India and started offering his religious services there. He supported the Muslim League along with Allama Shabbir Ahmed Usmani at the request of Maulana Ashraf Ali Thanhvi in Pakistan movement. After the establishment of Pakistan he came to Karachi and founded Darul Uloom Karachi.

Mufti Shafi wrote Tafseer e Quran in eight volumes in Urdu language with the name of Maarif-ul-Quran. He addressed most of the jurisprudential problems in his Tafseer. He was also the author of many other books. In this article, the author has reviewed "Maarif-ul-Quran with different aspects.

***KEYWORDS**: Quran, Tafseer, Mufti Muhammad Shafi*

تعارف مفسرِ قرآن، مفتی محمد شفیع عثمانی

مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مفسرِ قرآن، کئی کتابوں کے مصنف، معروف عالم دین، بانی دارالعلوم (کورنگی، کراچی)، دیوبند، ضلع سہارن پور، برٹش انڈیا (۲۰-۲۱، شعبان ۱۳۱۴ھ /۱۸۹۷ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مولانا محمد حسین عثمانی تھا۔[۱] ان کے والد کا نام "محمد حسین" درست نہیں بلکہ درست نام محمد یٰسین عثمانی ہے جیسا کہ آزاد دائرۃ المعارف، ویکی پیڈیا میں لکھا ہے کہ، ان کے والد کا نام محمد یٰسین عثمانی دیوبندی تھا۔[۲] ابتدائی تعلیم، اپنے والد، چچا (مولانا

*ڈاکٹر شاکر حسین خان، ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی۔

منظور احمد عثمانی) اور حافظ محمد عظیم سے حاصل کی، دارالعلوم دیوبند میں اکابر علماء، علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید اصغر حسین سے استفادہ کیا۔ ۱۳۳۵ھ میں تقریباً بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس اور نائب مفتی اپنی خدمات سر انجام دیں۔ بعد ازاں دار الافتاء دار العلوم دیوبند کے نگراں مقرر ہوئے۔ تقریباً پچیس، چھبیس سال دار العلوم کے مفتی رہے۔ اس دوران لاکھوں فتوے دیے، جو کئی جلدوں میں، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ کے نام سے شائع ہوئے اور کچھ حصے غیر مطبوعہ ہیں۔ باطنی تعلق شیخ الہند محمود حسن دیوبندی سے رہا ان کے انتقال کے بعد ۱۳۴۶ھ میں مولانا اشرف علی تھانوی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ۱۳۴۹ھ میں بیعت و اجازت پائی، وہ تھانوی صاحبؒ کے علمی، روحانی اور سیاسی جانشین تھے۔ انھوں نے تحریک پاکستان میں تھانوی صاحب کے ایماء پر علامہ شبیر احمد عثمانی کی معیت میں مسلم لیگ کی حمایت کی۔ قیام پاکستان کے بعد علامہ عثمانی کی طلبی پر، دیوبند سے کراچی ہجرت کی، کراچی میں عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم کورنگی کراچی، کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں عوام کی رہنمائی کی۔ (۳)

مفتی صاحب نے کوئی حادثاتی یا کسی سیاسی دباؤ میں آکر ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حصہ نہیں لیا بلکہ مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران سے ہی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اپنی خدمات پیش کرتے آرہے تھے۔ راقم اس حوالے سے ایک اہم واقعہ کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہے کہ "۱۹۲۶ء کا ذکر ہے، ریاست بھاولپور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا، جس میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس کے خاوند نے قادیانی مسلک اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ مُرتد ہو گیا ہے اس لیے اس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسق قرار دیا جائے۔ اس مقدمہ نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی اور مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس لیے نہیں کہ اس میں فریقین کی حیثیت بڑی ممتاز تھی، وہ تو بالکل غیر معروف سے تھے یہ اس لیے کہ ہندوستان میں (غالباً) یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ ایک شخص قادیانی مسلک اختیار کرنے کے بعد مسلمان رہتا ہے یا نہیں۔ (۴)

علامہ پرویز رقم طراز ہیں: "اسلامک فاؤنڈیشن، ا۔ ڈیوس روڈ لاہور، نے اسے "مقدمہ مرزائیہ بہاولپور" کے عنوان سے من و عن تین جلدوں میں شائع کیا ہے اور اس کی ضخامت ۱۸۵۶ صفحات ہے۔ اس فیصلے میں صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے کہ مدعیہ کی طرف سے چھ گواہان، مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بھاولپور، مولوی محمد حسین سکنہ گجرانوالہ، مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، سید محمد انور شاہ کشمیری، مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور پیش ہوئے۔ اس سے اس مسئلہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔"(۵)

اس دستاویز سے ثابت ہوا کہ اس اہم مقدمے کے چھ گواہوں میں سے ایک گواہ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ تھے۔ انہوں نے "ختم نبوت" کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اس کے علاوہ تفسیرِ مذکورہ میں، ختم نبوت کی دلیل پر

موجود آیات کی نشاندہی بھی کی ہے جس کی مثال پیش کی جائے گی۔

مفتی صاحب نے اپنی زبان اوراپنے قلم کے ذریعے دینی اور سیاسی محاذوں پر اپنی خدمات پیش کیں۔ تفسیر، معارف القرآن کے علاوہ ان کی دیگر کتب میں، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (عزیز الفتاویٰ)، ختم نبوت، رسول اکرم ﷺ پیغمبر امن وسلامتی، مقام صحابہ رضی اللہ عنہم، اسلام اور موسیقی (حرمت پر)، شامل ہیں۔

مفتی محمد شفیع عثمانی کا انتقال، ۹-۱۰، شوال ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء کو کراچی میں ہوا۔[۶]

تعارف تفسیر، معارف القرآن

مفتی محمد شفیع کی تفسیر کا نام "معارف القرآن" ہے جو کہ آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس کی قدرے تفصیل درجِ ذیل ہے:

جلد اول: سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ، کل صفحات: ۶۹۸

جلد دوم: سورۃ آل عمران و سورۃ النسآء، کل صفحات: ۶۲۸

جلد سوم: سورۃ المائدہ تا سورۃ الاعراف (آیت نمبر ۹۳)، کل صفحات: ۶۳۲

جلد چہارم: سورۃ الاعراف (آیت نمبر ۹۴) تا سورۃ ہود (آیت نمبر: ۱۲۳)، کل صفحات: ۶۸۰

جلد پنجم: سورہ یوسف تا سورۃ الکہف، کل صفحات: ۶۲۴

جلد ششم: سورۃ مریم تا سورہ روم، کل صفحات: ۷۲۸

جلد ہفتم: سورۃ لقمان تا سورۃ الاحقاف، کل صفحات: ۸۱۶

جلد ہشتم: سورۃ محمد تا سورۃ الناس، کل صفحات: ۸۵۶

مفتی محمد شفیع نے حسبِ دستور پہلے آیتوں کا متن وترجمہ پیش کیا، ترجمہ مولانا محمود حسن دیوبندی کا ہے۔ وہ درج کیے گئے ترجمے کے بارے میں رقم طراز ہیں "جو ترجمۂ شیخ الہند کے نام سے معروف ومشہور ہوا۔ احقر نے قرآنِ کریم کے زیرِ متن اسی ترجمے کو بعینہٖ لیاہے۔"[۷]

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج اس حوالے سے رقم طراز ہیں "مفتی محمد شفیع نے اپنی معروف تفسیر معارف القرآن میں اپنا ذاتی ترجمہ کرنے کے بجائے مولانا محمود حسن شیخ الہند کے ترجمے پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے اسے ہی قرآنی متن کے نیچے بغیر کسی ترمیم کے بعینہٖ رقم کیا۔ اس سے ترجمے کی صرف معنوی صحت ہی کا نہیں بلکہ کم وبیش ستاون سال گزرنے کے بعد محاورۂ اردو کی اصابت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔"[۸] اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ ہم نے مقالہ ہذا میں آیات قرآنی کا ترجمہ (بلااختلاف) وہی نقل کیاہے جو مفتی صاحب کی تفسیر، معارف القرآن میں درج ہے۔

مفتی صاحب نے اپنی تفسیر معارف القرآن، کا مقدمہ با عنوان "مختصر گزشت مصنّف" کے تحت لکھا ہے۔ جس میں معارف القرآن کی خصوصیات و التزامات، کے عنوان سے ایک ذیلی سرخی موجود ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں "بیان القرآن کی تسہیل کا کام پہلے سے پیش نظر تھا۔ اس وقت احقر نے حضرت (اشرف علی تھانوی) کی اس تفسیر کو بنام "خلاصۂ تفسیر" شروع میں بعینہ صرف ایک تصرّف کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ اس تفسیر میں جس جگہ خالص اصطلاحی اور مشکل الفاظ آئے تھے وہاں ان کو آسان لفظوں میں منتقل کر دیا اور اس کا نام خلاصہ تفسیر رکھنا اس لیے موزوں ہوا کہ خود حضرت نے خطبہ بیان القرآن میں اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کو تفسیر مختصر یا ترجمہ مطوّل کہا جا سکتا ہے اور اگر کوئی مضمون ہی خالص علمی اور مشکل تھا تو اس کو یہاں سے الگ کر کے معارف و مسائل میں اپنی آسان عبارت میں لکھ دیا تا کہ مشغول آدمی اگر زیادہ نہ دیکھ سکے تو اس خلاصۂ تفسیر (بیان القرآن) سے ہی کم از کم مفہومِ قرآنی کو پورا سمجھ لے۔[9]

مفتی صاحب آگے لکھتے ہیں "تیسرا کام جو احقر کی طرف منسوب ہے وہ "معارف و مسائل" کا عنوان ہے۔ اس میں بھی غور کیا جائے تو احقر کی صرف اردو عبارت ہی ہے، مضامین سب علماء سلف کی تفسیر سے لیے ہوئے ہیں جن کے حوالے ہر جگہ لکھ دیے ہیں، اس میں احقر نے چند چیزوں کا التزام کیا ہے۔ (ا) علماء کے لیے تفسیر قرآن میں سب سے پہلا اور اہم کام لغات کی تحقیق، نحوی ترکیب، فنِ بلاغت کے نکات اور اختلافِ قراءت کی بحثیں ہیں۔ تفسیر "معارف القرآن" میں عوام کی سہولت کے پیشِ نظر اُن علمی اور اصطلاحی بحثوں کی تفصیل نہیں لکھی گئی، بلکہ ائمہ تفسیر کے اقوال میں جس کو جمہور نے راجح قرار دیا ہے اس کے مطابق تفسیر لے لی گئی۔ (ب) مستند و معتبر تفاسیر سے ایسے مضامین کو اہمیت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جو انسان کے دل میں قرآن کی عظمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت و محبت کو بڑھائیں اور قرآن پر عمل اور اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف مائل کریں (ج) ہر زمانے کے علماء تفسیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں ان جدید مسائل اور مباحث پر زیادہ زور دیا ہے جو ان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ احقر ناکارہ نے بھی اسی اصول کے تحت ایسے ہی مسائل اور مباحث کو اہمیت دی ہے جو یا تو اس زمانے کے مشینی دور نے نئے نئے پیدا کر دیئے اور اس زمانے کے ملحدین اور یہودی اور نصرانی، مستشرقین نے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے کھڑے کر دیئے، جدید مسائل کے حل کے لیے مقدور بھر اس کی کوشش کی ہے کہ قرآن و سنت یا فقہاء امت کے اقوال میں اس کا کوئی ثبوت ملے یا کم از کم اس کی کوئی نظیر ملے۔"[10]

مفتی صاحب نے تفسیر میں پہلے آیت کے شانِ نزول کو بیان کیا ہے پھر اُس کی تفسیر کی ہے۔ انہوں نے تفسیرِ مذکورہ میں زیادہ تر فقہی مسائل کو بیان کیا ہے۔ ان کا تعلق فقہ حنفی، علمائے دیوبند سے تھا اس لیے انہوں نے فقہی مسائل، حنفی مسلک کی روشنی میں پیش کیے ہیں۔ کہیں کہیں اجتہاد سے بھی کام لیا ہے۔ ہم نے ان کی تفسیر "معارف

القرآن" کا جائزہ لیتے وقت انہی باتوں کو ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

تفسیر معارف القرآن کے ماخذ

مفتی محمد شفیع کی تفسیر، معارف القرآن، جلد اول، کا بطور ماخذ جائزہ لیا گیا تو ہمیں، درجہ ذیل کتب کے نام دستیاب ہوئے، ملاحظہ کیجیے:

قرآن مجید، ترجمہ شیخ الہند محمود حسن دیوبندی، تفسیری حاشیہ بیان القرآن (مولانا اشرف علی تھانوی)، تفسیر قرطبی، تفسیر مظہری، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن جریر، تفسیر بیضاوی، تفسیر روح المعانی، تفسیر روح البیان، احکام القرآن (جصاص)، احکام القرآن (ابن عربی)، بحر محیط، المفردات القرآن (امام راغب اصفہانی)، شرح معانی الآثار، زرقانی شرح مؤطاء، مسند احمد، مستدرک، طبرانی، البیہقی، صحیح مسلم، شرح صحیح مسلم (امام نووی)، صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، سنن ابو داؤد، تہذیب سنن ابو داؤد، حاکم، ترغیب، شامی، در مختار، عالمگیری، اور بھی کچھ کتب ہیں جن کے نام ہم سے اوجھل رہے، البتہ جلد اول صفحہ نمبر ۲۲۲ پر امام غزالی کا نام موجود ہے لیکن ان کی کتاب کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے۔

تفسیر معارف القرآن کا جائزہ

مفتی صاحب کی تفسیر، معارف القرآن، کے جائزے کے لیے چند آیات کی تفسیر کا انتخاب کیا ہے، ملاحظہ کیجیے:

مثال نمبر:۱

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ [۱۱] "تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

مفتی صاحب آیتِ مذکورہ کے تحت رقم طراز ہیں "اس میں انسان کو اس کی تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روانہ سمجھے اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے، کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں۔ [۱۲]

آیت مذکورہ کی تفسیر میں اول تو لفاظی سے کام لیا ہے۔ غور فرمائیں لفظ "حقیقی طور پر" جس کی ضد ہوئی "مجازی طور پر"۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مجازی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روانہ سمجھنا جائز ہے؟ ہم باحیثیت ایک طالب علم کے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد شاید یہ ہو کہ ہم جس طرح اپنے روزمرہ کے معمولات میں کسی سے مدد مانگتے ہیں یا کسی کی معاونت کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء

بَعۡضٍ۔ "مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔(توبہ/۷۱)" دوم یہ کہ مفتی صاحب نے آیت مذکورہ(سورۃ الفاتحہ آیت نمبر:۵) کے تحت بیان کیاہے کہ "کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعامانگنااس کے منافی نہیں۔"ہم بصد احترام،ان سے اختلاف کرتے ہیں،وہ یہ کہ اول تو آیتِ مذکورہ(سورۃ الفاتحہ آیت نمبر:۵) میں وسیلہ کا ذکر نہیں بلکہ خالص توحید کا بیان ہے۔دوم یہ کہ قرآن مجید کے جس مقام(المائدہ/۳۵) پر وسیلہ طلب کرنے کا حکم موجود ہے اُس مقام پر وسیلے سے مراد کسی نبی یاولی،کا وسیلہ ہر گز نہیں۔بلکہ اس مقام پر وسیلے سے مراد، اللہ کی وحدانیت اور اس کے راستے میں جدوجہد/جہاد،کرنا ہے اور ایک مقام(بنی اسرآئیل/۵۷) پر منفی معنوں میں یعنی وحدانیت کے خلاف آیاہے۔البتہ جس وسیلے کاذکر تفسیر میں کیا گیااس کاثبوت احادیث میں موجود ہے۔

مثال نمبر:۲

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے:ذَٰلِكَ الۡكِتَابُ لَا رَيۡبَ فِيهِ هُدًى لِّلۡمُتَّقِينَ۔[۱۳] "اس کتاب میں کچھ شک نہیں،راہ بتلاتی ہے ڈرنے والو کو۔"

مفتی صاحب، خلاصۂ تفسیر، کے عنوان کے تحت آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہیں "یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں(یعنی قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں کسی کو شبہ کی گنجائش نہیں،اگرچہ کوئی نافہم اس میں شبہ رکھتاہو،کیوں کہ یقینی بات کسی شبہ کرنے سے بھی حقیقت میں یقینی ہی رہتی ہے)راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔" [۱۴]

مفتی صاحب، حلّ لُغات، کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں "ذَٰلِكَ" کسی دُور کی چیز کی طرف اشارہ کے لیے استعمال ہوتا ہے،"رَيۡبَ" شک و شبہ ،"هُدًى" ہدایت سے بنا ہے، اور ہدایت کے معنی رہنمائی، "مُتَّقِينَ" جن میں صفت تقویٰ ہو۔تقویٰ کے لفظی معنی بچنے کے ہیں، مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا۔"[۱۵]

مفتی صاحب معارف ومسائل، کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں "کسی کلام میں شک وشبہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ خود کلام میں غلطی ہو، تو وہ کلام محل شک وشبہ ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ سمجھنے والے کی فہم میں غلطی ہو، اس صورت میں کلام، محل شک وشبہ نہیں ہوتا، گو کج فہمی یا کم فہمی کی وجہ سے کسی کو شبہ ہو جائے، جس کا ذکر خود قرآن کریم میں چند آیتو کے بعد "إِن كُنتُمۡ فِي رَيۡبٍ" [۱۶] میں آیاہے۔اس لیے ہزاروں کم فہموں یا کج فہموں کے شبہات و اعتراضات کے باوجود یہ کہنا صحیح ہے کہ اس کتاب میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔"[۱۷]

آیت مذکورہ کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ مفتی صاحبؒ نے تفسیر کرتے وقت پہلے آیت کے مفہوم کو خلاصۂ تفسیر، کے تحت پیش کیا، پھر لغت سے الفاظ کے معنٰی بیان کیے، پھر منطق سے آیت کے مفہوم کو سمجھانے کی سعی کی، پھر قرآن مجید سے قرآن مجید کی تفسیر کی۔

مثال نمبر:۳

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: والَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۔۔الخ
(۱۸)"اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے۔"

مفتی صاحب آیت مذکورہ کے تحت خوبصورت اور جامع تفسیر، تفسیر قرآن بالقرآن کر گئے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں"آیت کے اس طرزِ بیان سے ایک اہم اصولی مسئلہ بھی نکل آیا کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کی وحی آخری وحی، کیوں کہ اگر قرآن کے بعد کوئی اور کتاب یا وحی بھی نازل ہونے والی ہوتی تو جس طرح اس آیت میں پچھلی کتابوں اور وحی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب اور وحی پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری ہوتا، بلکہ اس کی ضرورت زیادہ تھی، کیوں کہ تورات وانجیل اور تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا تو پہلے سے جاری اور معلوم تھا۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد بھی سلسلۂ وحی جاری اور نبوت جاری ہوتا تو ضرورت اُس کی تھی کہ اس کتاب اور اس نبی کا ذکر زیادہ اہتمام سے کیا جاتا جو بعد میں آنے والے ہوں تاکہ کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ مگر قرآن نے جہاں ایمان کا ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور پہلے انبیاء کا ذکر فرمایا، بعد میں آنے والی کسی وحی یا نبی کا کہیں قطعاً ذکر نہیں، پھر صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں یہ مضمون اوّل سے آخر تک مختلف مقامات میں چالیس پچاس آیتوں میں آیا ہے، سب میں آنحضرت ﷺ سے پہلے انبیاء، پہلی وحی، پہلی کتابوں کا ذکر ہے کسی ایک آیت میں اس کا اشارہ تک نہیں کہ آئندہ بھی کوئی وحی یا نبی آنے والا ہے۔ جس پر ایمان لانا ہے۔"(۱۹)

اس کے بعد مفتی صاحب نے دلیل کے طور پر آٹھ قرآنی آیتیں پیش کی ہیں۔ ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ کی تفسیر، تفسیر قرآن بالقرآن کی مثال ہے۔ اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ رب العٰلمین کے آخری نبی ہیں، آپ پر دین مکمل ہو گیا، آپ نے مکمل دین کو نافذ کیا اور اپنے اصحاب کے زریعے دنیا کے متعدد و اور مختلف علاقوں و بستیوں میں پہنچایا۔ اللہ رب العٰلمین نے آپ کی امت کو بہترین امّت قرار دے کر تبلیغ دین کا کام سونپا جو کہ انبیا کرام کا فرض رہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: خَيْرَ أُمَّةٍ (۳:۱۱۰) "بہترین قوم جسے نوع انسان کی بہود کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔" نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کسی شخص کی آمد کی خبر نہیں دی گئی بلکہ سابقہ الہامی کتب میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارتیں دی گئی تھیں۔

مثال نمبر:۴

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: وَ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُواْ شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللہ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ وَلَن تَفْعَلُواْ فَاتَّقُواْ النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔[۲۰] "اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہر گز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایدھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔"

مفتی صاحب معارف ومسائل کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں "اس آیت میں قرآن نے پوری دنیا کے انسانوں کو خطاب کرکے چیلنج دیا ہے کہ اگر تم اس کلام کو اللہ کا کلام نہیں بلکہ کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی انسان ہو، تمہیں بھی ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت ہونا چاہیے، پورا کلام تو کیا تم اس کلام کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی نظیر ومثال بنا کر دکھادو، اور اس پر تمہارے لیے یہ مزید آسانی دی جاتی ہے کہ تنہا کوئی آدمی نہ بنا سکے تو تمہیں اختیار ہے سارے جہاں سے اپنے حمایتی اور مددگار جمع کرلو، اور ایک بین الاقوامی کانفرنس کرکے اس قرآن کی چھوٹی سی سورت کی مثال بنالاؤ۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا دوسری آیت میں اُن کو غیرت دلائی کہ تمہاری مجال نہیں کہ اس جیسی ایک سورت بنا سکو، پھر عذاب سے ڈرایا کہ جب تم اس کلام کی مثال بنانے سے اپنا عجز محسوس کرتے ہو، اور یہ صاف اس کی دلیل ہے کہ انسان کا کلام نہیں بلکہ ایسی ہستی کا کلام ہے جو تمام مخلوق سے مافوق اور بلند وبالا ہے جس کی قدرت کاملہ سب پر حاوی ہے، تو پھر اس پر ایمان نہ لانا اپنے ہاتھوں جہنّم میں اپنا ٹھکانا کرنا ہے اس سے بچو۔"[۲۱]

مذکورہ آیت کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید پر ایمان نہ لانا، اس کی مخالفت کرنا، اپنے آپ کو جہنمی بنانا ہے۔ حقیقت میں مفتی صاحب نے قرآنی مفہوم کو اردو معلّٰی میں خوبصورتی سے بیان کرکے کمال کر دکھایا۔

مثال نمبر:۵

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔[۲۲] "اس نے تم پر یہی حرام کیا ہے مُردار جانور اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا، پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں، بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان۔"

مفتی صاحب آیت مذکورہ سے استدلال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں، مگر علاج و دوا کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے، اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لیے مؤثر یا موجود نہ ہو، اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو، ان شرطوں کے ساتھ خون دینا تو اس نصِ قرآنی کی رُو سے جائز ہے، جس میں مضطر کے لیے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحۃً

مذکور ہے، اور اگر اضطراری حالت نہ ہو یا دوسری دوائیں بھی کام کر سکتی ہوں تو ایسی حالت میں مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک جائز ہے، بعض ناجائز کہتے ہیں۔"(۲۳) مذکورہ تفسیر سے ثابت ہوا کہ انہوں نے بعض مقامات پر اجتہاد سے بھی کام لیا ہے لیکن وہ جزوی نوعیت کے ہیں۔ اس مسئلے میں مفتی صاحب کا جو نقطہ نظر سامنے آیا وہ یہ کہ انہوں نے انتقال خون کی حلت کو مشروط رکھا ہے۔ جس سے علماء کرام تو اس مسئلہ کی نزاکت کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن عام لوگ اُسے مبہم سمجھ کر یہ گمان کریں گے کہ شاید مفتی صاحب انتقالِ خون کی حلت کے قائل نہیں تھے۔

مثال نمبر:۶

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهنَّ عَلِمَ الله أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ الله لَكُمْ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ الله فَلاَ تَقْرَبُوها كَذَلِكَ يُبَيِّنُ الله آيَاتِه لِلنَّاسِ لَعَلَّهمْ يَتَّقُونَ۔(۲۴) "حلال ہوا تم کو روزے کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے، وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی، اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے، انہی جانوں سے سو معاف کیا تم کو اور درگزر کی تم سے، پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے اور کھاؤ پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری صبح کی جدا دھاری سیاہ سے، پھر پورا کرو روزہ کو رات تک، اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں، یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی، سو ان کے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں۔"

مفتی صاحب آیتِ مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں۔" أُحِلَّ لَكُمْ "کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعہ حلال کی گئی ہے اس سے پہلے حرام تھی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں بروایت، براء بن عازب رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ ابتدا میں جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ اختلاط کی صرف اس وقت اجازت تھی جب تک سو نہ جائے، سو جانے کے بعد یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اس میں مشکلات پیش آئیں۔ قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ، دن بھر مزدوری کرکے افطار کے وقت گھر پہنچے تو کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ بیوی نے کہا کہ میں کہیں سے کچھ انتظام کرکے لاتی ہوں۔ جب وہ واپس آئی تو دن بھر کی تکان کی وجہ سے ان کی آنکھ لگ گئی اب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا۔ اگلے دن اسی طرح روزہ رکھا دوپہر کو ضعف سے بیہوش ہو گئے (ابن کثیر) اس طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنھم سونے کے بعد اپنی بیبیوں کے ساتھ اختلاط

میں مبتلا ہو کر پریشان ہوئے، ان واقعات کے بعد آیت نازل ہوئی۔"(۲۵)

یعنی روزوں کے ایام میں جن افعال کی ممانعت تھی، قرآن مجید نے انہیں منسوخ کر دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر، آثار کی روشنی میں کی ہے۔ لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "عَلِمَ اللہ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ" کے مخاطب رسول اللہ ﷺ یا آپ ﷺ کے اصحاب ہرگز نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد سابقہ امتوں کے لوگ ہیں اور پھر اللہ رب العلمین نے اپنی آخری شریعت و آخری کتاب میں اس حکم کو منسوخ قرار دے کر اس کی حلت کا حکم ارشاد فرمادیا۔

مثال نمبر:۷

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِيْ أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَاللہ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ۔(۲۶) "اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے، خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا قاعدہ کے موافق لازم ہے پرہیزگاروں پر، اسی طرح بیان فرماتا اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو۔"

مفتی صاحب رقم طراز ہیں:"عورت اپنی مصلحت سے خاوند کے ترکے کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق حاصل ہے، اور اسی کے ترکے سے اس مدّت میں اس کو نان نفقہ بھی دیا جاوے اس آیت میں اسی کا بیان ہے۔ اور خاوندوں کو حکم ہے کہ اس طرح کی وصیت کر جایا کریں، اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا، اس کو اس کے وصول کرنے نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لیے وارثوں کو تو گھر سے نکلنا جائز نہ تھا، لیکن خواہ اس کو جائز تھا کہ اس کے گھر نہ رہے، اور اپنا حق ورثہ کو چھوڑ دے، بشرطیہ کہ عدت پوری ہو چکے، اور نکاح وغیرہ سب درست تھا، اور یہی مراد ہے قاعدہ کی بات سے، البتہ عدت کے اندر نکلنا اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا، عورت کے لیے بھی، اور جو منع کر سکے اور نہ روکے اس کے لیے بھی پھر جب آیت میراث کی نازل ہوئی، گھر بار سب ترکہ میں سے عورت کا حق مل گیا، سوا اپنے حصّے میں رہے، اور اپنے حصے سے خرچ کرے یہ آیت منسوخ ہو گئی۔"(۲۷)

معلوم ہوا کہ مذکورہ حکم بیوہ عورتوں کے بارے میں تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مفتی صاحب عام روایت پسندوں کی طرح قرآن مجید میں نسخ کے قائل تھے۔ جب کہ مفتی صاحب کے استاد محترم انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:

وادعیت أن النسخ لم یرد في القرآن رأسا، أعني بالنسخ: کون الآیة منسوخة في جمیع ماحوته بحیث لا تبقی معمولة في جزئي من جزئیاتها، فذلک عندي غیر واقع. وما من أیة منسوخة إلا وهي معمولة بوجه من الوجوه، وجهة من الجهات[۲۸]"مجھے یقین ہے کہ ابتداء سے کوئی بھی آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ نسخ سے میری مراد، ایسی آیت ہے جو کہ ہر لحاظ سے منسوخ ہو چکی ہو اور اس کا کوئی بھی حصہ مؤثر نہ رہا ہو، میری فہم کے مطابق ایسا نہیں ہوا۔ جو بھی آیت منسوخ سمجھی جاتی ہے، وہ ابھی تک کسی نہ کسی پہلو سے مؤثر ہے۔"

خود مفتی صاحب نے شاہ ولی اللہ کے نظریہ ناسخ و منسوخ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "احکام میں اصل بقاءِ حکم ہے، نسخ خلافِ اصل ہے، اس لیے جہاں آیت کے معمول بہا ہونے کی کوئی توجیہ ہو سکتی ہے، اس میں بلاضرورت نسخ ماننا درست نہیں۔"[۲۹] مفتی صاحب اگلی آیت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:"مطلّقہ عورتوں کو متاع یعنی فائدہ پہنچانا اس سے پہلی آیات میں بھی آچکا ہے مگر وہ صرف دو قسم کی مطلّقات کے لیے تھا، جن کو صحبت و خلوت سے پہلے طلاق ہو گئی ہو، ایک کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ جوڑا دیا جاوے، دوسری کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ آدھا مہر دیا جاوے، اب وہ طلاق والیاں رہ گئی ہیں جن کو صحبت یا خلوت کے بعد طلاق دی جاوے سو اُن میں جن کا مہر مقرر کیا گیا ہو اس کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دینا چاہیے، اور جس کا مہر مقرر نہ کیا جاوے اس کے لیے بعد دخول کے مہر مثل واجب ہے، یہ متاع بمعنی مطلق فائدہ پہنچانا اس تفصیل سے تو واجب ہے، اور اگر متاع سے مراد فائدہء خاص یعنی تحفہ یا جوڑا دینا ہی لیا جائے تو ایک مطلّقہ کو تو دینا واجب ہے، جس کا ذکر ما قبل میں آچکا ہے، اور باقی سب اقسام میں مستحب ہے، اور اگر متاع سے مراد نفقہ لیا جاوے تو جس طلاق میں عدّت ہے اس میں عدّت گزرنے تک واجب ہے، خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، غرض آیت اپنے الفاظِ عامہ سے سب صورتوں کو شامل ہے۔"[۳۰] مذکورہ تفسیر سے ثابت ہوا کہ تفسیر، معارف القرآن، فقہ حنفی کی نمائندہ تفسیر ہے۔ آیت مذکورہ کے تحت کسی اجتہادی نوعیت کے پہلو کو عیاں نہیں کیا گیا بلکہ فقہ حنفی کے قدیم فتویٰ کے تناظر میں مسئلے کو پیش کیا گیا ہے۔

مثال نمبر:۸

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: اللّهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لاَ تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلاَ نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاء وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ وَلاَ يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ۔[۳۱]"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کا تھامنے والا، نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس، مگر اس کی اجازت سے، جانتا ہے جو کچھ

خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کرسکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے، مگر جتنا کہ وہی چاہے، گنجائش ہے یہ اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کو تھامنا ان کا اور وہی یہ سب سے برتر عظمت والا۔"

مفتی صاحب، آیت الکرسی کی فضیلت کو حدیثی روایت سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ آیت قرآن کریم کی عظیم ترین آیت ہے، احادیث میں اس کے بڑے فضائل و برکات مذکور ہیں۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو سب آیات سے افضل فرمایا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ قرآن مجید میں کونسی آیت سب سے عظیم ہے، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آیت الکرسی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا، اے ابو المنذر تمہیں علم مبارک ہو۔"(۳۲)

آیت مذکورہ کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ مفتی صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر، آثار کی روشنی میں پیش کی ہے اور حدیثی روایات کو بطور تفسیر کے پیش کیا ہے۔

مثال نمبر:۹

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلاَ تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔(۳۳)

"اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو کہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو اُن سے کنارہ کر کہ ہو کر یہاں تک مشغول ہو جاویں کسی اور بات میں اور اگر بھلادے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ۔"

مفتی صاحب آیتِ مذکورہ کے تحت رقم طراز ہیں "اس کا خطاب اگر عام مسلمانوں کو ہے تو بات صاف ہے کہ بھول اور نسیان پر انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور اگر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول و نبی پر بھی بھول اور نسیان کا اثر ہو جایا کرے تو ان کی تعلیمات پر کیسے اعتماد واطمینان رہ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کسی خاص حکمت و مصلحت کی تحت بھول تو ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان کو تنبیہ بذریعہ وحی ہو جاتی جس سے وہ بھول پر قائم نہیں رہتے۔ اس لیے بالآخر ان کی تعلیمات بھول اور نسیان کے شبے سے پاک ہوتی ہیں۔ بہر حال آیت کے اس جملے سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سہو و نسیان سے کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے تو وہ معاف ہے، نبی کریم ﷺ کا ایک حدیث میں ارشاد ہے: رُفِعَ عَن اُمَّتِی الخَطَاءُ وَ النّسِیَان وَمَا استُکرِهُوَاعَلَیهِ "یعنی "میری امت سے خطاء اور بھول کا اور اس کام کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے جو کسی نے زبردستی اس

سے کر دیا ہو۔"[۳۴]

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر میں مفتی صاحب نے حدیث پیش کر کے مزید وضاحت کر دی۔ آیت مذکورہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی اللہ رب العٰلمین کے خلاف بات کرے یا آیاتِ قرآنی کا مذاق اڑائے، یا احکامِ القرآن کے خلاف کوئی بات کہے، یا رسول اللہ ﷺ یا آپ ﷺ سے منسوب چیزوں یا آپ ﷺ کے اصحاب کی توہین کرے تو ہمیں ایسے لوگوں کی مجلس سے اٹھ جانا چاہیے۔

مثال نمبر:۱۰

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: وَلَاتَسُبُّواالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوااللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ۔[۳۵] "اور تم لوگ برا نہ کہو ان کے جن کی پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے۔"

مفتی صاحب آیتِ مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:" جب رسول کریم ﷺ کے عم محترم ابو طالب مرض الموت میں تھے تو قریش کے مشرک سردار جو رسول کریم ﷺ کی عداوت اور ایذاء رسانی میں لگے ہوئے تھے اور قتل کی سازشیں کرتے رہتے تھے۔ ان کو یہ فکر ہوئی کہ ابو طالب کی وفات ہمارے لیے ایک مشکل مسئلہ بن جائے گی، کیونکہ ان کے بعد ہم محمد (ﷺ) کو قتل کریں تو یہ ہماری عزت و شرافت کے خلاف ہو گا کہ لوگ کہیں گے کہ ابو طالب کے سامنے تو ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اُن کی موت کے بعد اکیلا پا کر قتل کر دیا۔ اس لیے اب وقت ہے کہ ہم مل کر خود ابو طالب ہی سے کوئی فیصلہ کن بات کر لیں۔ یہ بات تقریباً ہر پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے کہ ابو طالب اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ کی نہ صرف محبت بلکہ عظمت و جلالت بھی ان کے دل میں پیوست تھی، اور آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہتے تھے۔ چند قریش سرداروں نے یہ مشورہ کر کے ابو طالب کے پاس جانے کے لیے ایک وفد مرتب کیا، جس میں ابو سفیان، ابو جہل، عمرو بن العاص وغیرہ قریشی سردار شامل تھے، ابو طالب سے اس وفد کی ملاقات کے لیے وقت لینے کا کام ایک شخص مطّلبؔ نامی کے سپرد ہوا، اس نے ابو طالب سے اجازت لے کر اس وفد کو وہاں پہنچایا۔ وفد نے ابو طالب سے کہا کہ آپ ہمارے بڑے اور سردار ہیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے محمد (ﷺ) نے ہمیں اور ہمارے معبودوں کو سخت تکلیف اور ایذاء پہنچا رکھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو بلا کر سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں تو ہم اس پر صلح کر لیں گے، کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں عمل کریں، جس کو چاہیں معبود بنائیں، ہم اُن کو کچھ نہ کہیں گے۔

ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یہ آپ کی برادری کے سردار آئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ ہمیں اور ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیں، برا بھلا نہ کہیں، اور ہم آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیں گے، اسی طرح باہمی مخالفت ختم ہو جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر میں تمھاری یہ بات مان لوں تو کیا تم ایک ایسا کلمہ کہنے کے لیے تیار ہو جاؤ گے جس کے کہنے سے تم سارے عرب کے مالک ہو جاؤ گے، اور عجم کے لوگ بھی تمھارے تابع اور باج گزار بن جائیں گے۔

ابوجہل بولا، کہ ایسا ایک کلمہ نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں، بتلایئے وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: "لا الٰہ الا اللہ" یہ سنتے ہی سب برہم ہو گئے۔ ابو طالب نے بھی حضور ﷺ سے کہا کہ میرے بھتیجے! اس کلمہ کے سوا کوئی اور بات کہو، کیوں کہ آپ کی قوم اس کلمہ سے گھبرا گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! چچا جان! میں تو اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا کلمہ نہیں کہہ سکتا، اگر وہ آسمان سے آفتاب کو اتار لاویں اور میرے ہاتھ میں رکھ دیں جب بھی میں اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا ہرگز نہ کہوں گا، مقصود یہ تھا کہ ان کو مایوس کر دیں، اس پر یہ لوگ ناراض ہو کر کہنے لگے یا تو آپ ہمارے معبودوں (بتوں) کو برا کہنے سے باز آجایئے ورنہ ہم بھی آپ کو بھی گالیاں دیں گے اور اس ذات کو بھی جس کا رسول آپ اپنے آپ کو بتلاتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔"(۳۶)

واقعہ مذکورہ متعدد کتبِ سیرت میں، مختلف الفاظ وطریقوں سے پیش ہوا ہے۔ مفتی صاحب نے اس واقعہ کو، ابنِ جریر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہ مثال بھی معارف القرآن کے تفسیر بالماثور ہونے کی دلیل ہے۔

مثال نمبر:۱۱

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: وَاعْلَمُوٓاْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ۔۔الخ(۳۷) "اور جان رکھو، کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے۔"

مفتی صاحب ؒ رقم طراز ہیں "امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کا فرمانا یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ بھی ذوی القربیٰ کو عطا فرماتے تھے تو اُس کی دو بنیادیں تھیں ایک اُن کی حاجت مندی اور فقر دوسرے اقامت دین اور دفاع عن الاسلام میں رسول اللہ ﷺ کی نصرت و امداد، دوسرا سبب تو وفاتِ نبوی کے ساتھ ختم ہو گیا صرف پہلا سبب فقر و حاجت مندی رہ گیا، اُس کی بنا پر تا قیامت ہر امام و امیر اُن کو دوسروں سے مقدم رکھے گا(ہدایہ۔جصاص) امام شافعیؒ سے بھی یہی قول منقول ہے (قرطبی) اور بعض فقہاء کے نزدیک سہم ذوی القربیٰ بحیثیت قرابت رسول اللہ ﷺ ہمیشہ کے لیے باقی ہے،

جس میں اغنیاء اور فقراء سب شریک ہیں البتہ امیر وقت اپنی صواب دید کے مطابق اُن کو حصّہ دے گا۔"[۳۸] مذکورہ آیت کی تفسیر میں مفتی صاحب نے فقہاء کرام کے اقوال کو پیش کیا ہے، اس طرح کی مثالیں تفسیرِ مذکورہ میں جابجا نظر آئیں گی۔ جو اس کے تفسیر بالماثور ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس مقام پر ایک غلط فہمی کا بھی ازالہ کرتا چلوں کہ آیتِ مذکورہ میں " وَلِذِي الْقُرْبَىٰ " آیا ہے، اس کا ترجمہ کیا گیا ہے " اور اس کے قرابت والوں کے واسطے "ترجمے میں " اس کے " الفاظ کی پیوند کاری کر کے، حکم کو، مخصوص کر دیا گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ہر مقام پر، قرآن مجید اپنے قاری کو رشتے داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی کتاب میں میں جو ترجمہ پیش کیا ہے وہ مناسب معلوم ہوتا ہے ملاحظہ کیجیے، " اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کا ہے اور رسول کا اور رشتے دار ک ا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا "[۳۹] شاہ عبد القادر دہلویؒ، سر سید احمد خانؒ، احمد رضا خان بریلویؒ، محمد علی لاہوری، فتح محمد جالندھریؒ، امین احسن اصلاحیؒ، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، غلام احمد پرویزؒ، محمد جونا گڑھیؒ، محمد کرم شاہ الازہریؒ، ملک غلام مرتضیٰؒ، وغیرہ نے بھی اپنے ترجموں میں رشتے داروں کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے خاندان کی جانب مخصوص نہیں کی جو کہ قرآنی مفہوم کے عین مطابق ہے۔ اور جن لوگوں نے رشتے داروں کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے خاندان کی جانب مخصوص کی ہے ان میں شاہ رفیع الدین دہلویؒ، شیخ محمود حسن دیوبندیؒ، اشرف علی تھانویؒ، ابو الکلام آزادؒ، سید محمد کچھوچھویؒ، احمد سعید شاہ کاظمیؒ، حافظ نذر احمد اور طاہر القادری شامل ہیں۔

مثال نمبر:۱۲

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ [۴۰] "اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد۔"

مفتی صاحب رقم طراز ہیں: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندوں پر ذکر اللہ کے سوا کوئی ایسی عبادت عائد نہیں کی جس کہ کوئی خاص حد مقرر نہ ہو، نماز پانچ وقت کی اور ہر نماز کی رکعتیں متعین ہیں، روزے ماہِ رمضان کے متعین اور مقرر ہیں۔ حج بھی خاص مقام پر خاص اعمال مقررہ کرنے کا نام ہے، زکوٰۃ بھی سال میں ایک ہی مرتبہ فرض ہوتی ہے۔ مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ نہ اس کی کوئی حد اور تعداد متعین ہے، نہ کوئی خاص وقت اور زمانہ مقرر ہے، نہ اس کے لیے نہ کوئی خاص ہیئت قیام یا نشست مقرر ہے، نہ اس کے لیے طاہر اور باوضو ہونا شرط ہے، ہر وقت ہر حال میں ذکر اللہ بکثرت کرنے کا حکم ہے، سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری، خشکی میں ہو یا دریا میں، رات ہو یا دن، ہر حال میں ذکر اللہ کا حکم ہے۔"[۴۱]

مفتی صاحب رقم طراز ہیں: "امام احمد نے ابو الدرداسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خطاب کرکے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلادوں جو تمھارے سب اعمال سے بہتر اور تمھارے مالک کے نزدیک، سب سے زیادہ مقبول ہے، اور تمھارے لیے سونے چاندی کے صدقہ و خیرات سے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہے، کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو اور تمھارا دشمن سے مقابلہ ہو، تم اُن کی گردنیں مارو وہ تمھاری، صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ، وہ کون سی چیز اور کون سا عمل ہے ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذِکرُ اللہِ عزّوَجَل، یعنی اللہ کی یاد (ابن کثیر) نیز امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ:

حضرت ابو ھریرہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دعا سُنی ہے جس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا وہ یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجعَلنِی اُعَظِّمُ شُکرَکَ وَ اَتَّبِعُ نَصِیحَتَکَ وَ اُکثِرُ ذِکرَکَ وَ اَحفَظُ وَصِیَّتَکَ (ابن کثیر) "یا اللہ مجھے ایسا بنادے کہ میں تیرا شکر بہت کروں اور تیری نصیحت کا تابع رہوں اور تیرا ذکر کثرت سے کیا کروں اور تیری وصیت کو محفوظ رکھوں۔"(۴۲)

مندرجہ بالا مثال سے بھی ثابت ہوا کہ تفسیر، معارف القرآن، مروجہ تفسیرِ ماثور سے مطابقت رکھتی ہے، لیکن روایت یا تاریخی واقعہ کو من وعن قبول نہیں کرنا چاہیے پہلے قرآن مجید کی روشنی میں پرکھنا چاہیے کہ کہیں کوئی خلافِ قرآن و عقل بات تو نہیں جیسا کہ حنفیوں کا تعمل ہے کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، رسول اللہ ﷺ سے منسوب باتوں کی پہلے تحقیق کرتے تھے۔ مولانا اشفاق الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، خلیفہ مولانا اشرف علی تھانوی رقم طراز ہیں: "حضرت ابو بکر (خلیفہ اول، صدیقِ اکبر) اور حضرت عمر رضی اللہ عنھم انھی حدیثوں کو قبول کرتے تھے جن کی نسبت شہادت سے حضور ﷺ کا ارشاد ہونا ثابت ہو جاتا۔ اسی بناء پر حضرت ابو بکر (خلیفہ اول، صدیقِ اکبر) رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو طلب کیا جو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تائید کرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت اُبَیّ رضی اللہ عنہ کے مؤیّدین کی تلاش کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی سے قسم لیتے تھے۔ حالانکہ رفعت و عظمت کے لحاظ سے اُن میں باہم کس قدر اعتماد تھا۔ لیکن جب قابلِ اطمینان طریقہ پر روایات کا ثبوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اُس پر عمل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔"(۴۳)

خلاصہ

تفسیر، معارف القرآن کے جائزے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ، انداز، اور طریقہ کار میں عاجزی و انکسار بہت واضح نظر آتا ہے، تفسیر پیش کرنے کا انداز قدیم طرز کا ہے، قدیم اردو کا عکس بھی نظر آتا ہے، مثلاً، تمھارے تابع اور باج گزار، آفتاب کو اتار لاویں، اگر ہم شیخ الہند محمود حسنؒ کے ترجمے پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ ایسے الفاظ اُن کے

ترجمے میں جابجا نظر آئیں گے، مثلاً "مشغول ہو جاویں۔"(۴۴)

حوالے مذہبی مدارس کے علماء کے لیے تو کافی ہیں لیکن ہم جیسے طالب علموں کے لیے ناکافی اور جدید تحقیقی طریقہ کار سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اکثر مقامات پر حوالوں کا فقدان نظر آتا ہے۔ کہیں مصنف کا نام ہے لیکن کتاب کا نام درج نہیں، مثلاً جلد اول، صفحہ نمبر ۲۲۲، پر امام غزالیؒ کا حوالہ ہے لیکن، کتاب کا نام درج نہیں، مختلف حلقوں کے اشاعتی اداروں کی توجہ بھی حوالہ جات کی جانب مبذول ہوگئی ہے۔(۴۵) جب کہ دارالعلوم سے منسلک بعض افراد، پی۔ایچ۔ڈی، ہولڈرز اور تصنیف و تالیف کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں، اگر اس تفسیر کو جدید اصولوں کے مطابق شائع کیا جائے تو مناسب ہوگا اور پھر یہ کام بھی تحقیقی نوعیت کا قرار پائے گا۔ اس پر بطور پروجیکٹ بھی کام کیا جاسکتا ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر، معارف القرآن، عمومی طور پر تو آثار کے اصولوں پر مبنی نظر آتی ہے، مفتی صاحب نے ضرورت کے پیش نظر پہلے آیت کے شانِ نزول کو بیان کیا ہے پھر روایت سے اُس کی تفسیر کی ہے۔ سلف کے اقوال کو بھی پیش کیا ہے۔ متقدمین میں سے اکثر مقامات پر، امام جریر طبری، ابن کثیر، قرطبی، جصاص، ابن عربی، بیضاوی وغیرہ کے اقوال نظر آتے ہیں۔ زیادہ تر فقہی مسائل کو بیان کیا ہے مثلاً، نکاح، طلاق، عدت، وصیت، وراثت، سود، زکوٰۃ، حج، عمرہ، رمضان، روزہ، اعتکاف، ذبیحہ، قربانی، وغیرہ عنوانات کے تحت مباحث و مسائل کئی کئی صفحات پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے تفسیر میں فقہی مسائل کو پیش کرنا لازمی سمجھا ہے۔ ان کی تفسیر فقہ حنفی کی آئینہ دار نظر آتی ہے۔ انہوں نے بعض مقامات پر اجتہاد سے بھی کام لیا ہے لیکن وہ جزوی نوعیت کا ہے۔ اس کے باوجود اس تفسیر میں روایات کا مواد موجود ہے۔ اس بناء پر ان کی تفسیر کو تفسیرِ ماثور میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، مرتب، سید محمد قاسم محمود، ص:۱۳۳۴

۲۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Muhammad_Shafi_Deobandi

۳۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص:۱۳۳۴-۱۳۳۵

۴۔ پرویز، مرزائیت (قادیانیت) اور طلوع اسلام، ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور، ۵

۵۔ ایضاً، ۶

۶۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے صفحہ: ۱۳۳۵ پر تو مذکورہ تاریخ درج ہے لیکن مولانا ولی رازی نے اپنے والد کی تاریخ وفات ۱۰ شوال تحریر کی ہے ملاحظہ کیجیے: رازی، محمد ولی، "والد ماجد کے آخری شب و روز" بشمول ماہنامہ البلاغ، کراچی، (مفتی اعظم نمبر) طبع جدید، جولائی ۲۰۰۵ء، ۲۹۱:۱

۷۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، جنوری ۲۰۱۶ء، تمہید، ۶۹ :۱
۸۔ اوج، ڈاکٹر محمد شکیل، دراسات قرآنی، مرتبہ ڈاکٹر شاکر حسین خان، مجلس التفسیر، کراچی، غیر مطبوعہ، ص ۵۳
۹۔ معارف القرآن، ۶۹:۱
۱۰۔ معارف القرآن، ۶۹۔۷۰۔۷۱: ۱
۱۱۔ سورۃ الفاتحہ، ۵:۱
۱۲۔ معارف القرآن، ۸۶ :۱
۱۳۔ سورۃ البقرہ۔۲: ۲
۱۴۔ معارف القرآن، ۱۰۵- ۱۰۶: ۱
۱۵۔ معارف القرآن، ۱۰۶: ۱
۱۶۔ وَ اِن کُنتُمۡ فِی رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلَی عَبۡدِنَا فَأۡتُوا بِسُورَۃٍ مِّن مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوا شُهَدَاءَکُم مِّن دُونِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صَادِقِیۡنَ۔ "اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔" سورۃ البقرہ ۲۳ : ۲
۱۷۔ معارف القرآن، ۱۰۸ :۱
۱۸۔ سورۃ البقرہ، ۴ : ۲
۱۹۔ معارف القرآن، ۱۱۳ : ۱
۲۰۔ سورۃ البقرہ، ۲۳-۲۴ : ۲
۲۱۔ معارف القرآن، ۱۴۱ : ۱
۲۲۔ سورۃ البقرہ، ۱۷۳ :۱
۲۳۔ معارف القرآن، ۴۲۰-۴۲۱ :۱
۲۴۔ سورۃ البقرہ، ۱۸۷: ۲
۲۵۔ معارف القرآن، ۴۵۳ : ۱
۲۶۔ سورۃ البقرہ، ۲۴۰-۲۴۱ : ۲
۲۷۔ معارف القرآن، ۵۹۱ : ۱
۲۸۔ کشمیری، انور شاہ، فیض الباری، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۵ء، بیروت، ۳۲۳ : ۳
۲۹۔ معارف القرآن، ۲۸۵ :۱
۳۰۔ معارف القرآن، ۵۹۱- ۵۹۲ :۱
۳۱۔ سورۃ البقرہ، ۲۵۵ :۱

۳۲۔ معارف القرآن، ۶۱۲ :۱

۳۳۔ سورۃ الانعام، ۶:۶۸

۳۴۔ معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، ۲۷۳۔۳۷۱ : ۳

۳۵۔ سورۃ الانعام، ۱۰۸: ۶

۳۶۔ معارف القرآن، ۴۱۹- ۴۱۸ :۳

۳۷۔ سورۃ الانفال، ۴۱ :۸

۳۸۔ معارف القرآن، ۲۴۲: ۴

۳۹۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرۃ النبی ﷺ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان، ۱۹۸۵ء، لاہور، ۵۸۶ :۱

۴۰۔ سورۃ الاحزاب، ۳۳:۴۱

۴۱۔ معارف القرآن، ۱۷۳:۷

۴۲۔ معارف القرآن ، ۱۷۴:۷

۴۳۔ صدیقی، اشفاق الرحمٰن، علم حدیث، کتب خانہ شانِ اسلام، اپریل ۱۹۷۷ء، لاہور، ۲۱۱-۲۱۲

۴۴۔ ترجمہ: سورۃ الانعام، ۶۸: ۶

۴۵۔ مثلاً: علامہ پرویز (ادارہ طلوعِ اسلام)، پیر محمد کرم شاہ (ضیاء القرآن پبلی کیشنز) اور مکتبۃ المدینہ کی مطبوعاتِ میں بھی مکمل حوالہ جات کا اندراج کیا جاتا ہے۔